ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ، پی ایچ ڈی (لندن)
سابق پروفیسر عربی، پنجاب یونیورسٹی

# لغات القرآن

اگرچہ "لغات القرآن" کے نام سے اُردو زبان میں چند ایک کتابیں موجود ہیں، لیکن ان کے مؤلفین نے قرآنی الفاظ کے اشتقاق اور ان کے اصل مآخذ سے سروکار نہیں رکھا اور اگر کہیں اس بارے میں معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی ہے تو وہ معلومات ناکافی ہیں یا ناقص ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی تھی کہ قرآنی الفاظ کو ان کے اصل اصول تک پہنچایا جائے اور ان کے بنیادی مفہوم و معانی کو معین کیا جائے، کیونکہ قرآنی الفاظ کے معانی کو صحت و صفائی کے ساتھ پیش کرنا علمِ تفسیر کا پہلا زینہ ہے راقم الحروف نے کچھ عرصہ سے اس قسم کی لغوی تحقیق کا کام شروع کر رکھا ہے اور اس کا کچھ حصہ بطور نمونہ ایک مقالہ کی صورت میں ہدیۂ ناظرین ہے۔ اس لغوی بحث میں خاکسار نے قدیم اور جدید مصادر کو پیشِ نظر رکھا ہے اور مستند لغاتوں اور تفسیروں سے استفادہ کیا ہے اور حتی الامکان تنقید و تحقیق کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ سر دست چند ایک قرآنی الفاظ کی لغوی تشریح پیشِ خدمت ہے۔ یہ امر ذہن نشین رہے کہ یہ تشریح بیشتر الفاظ کی اشتقاق (Etymology) تک محدود ہے اور تاریخی معلومات سے صرف اس حد تک کام لیا گیا ہے جس سے موضوعِ بحث کی وضاحت ہوتی ہے اور اس پر ضروری روشنی پڑتی ہے۔

## آمین

آمین کا لفظ اس لحاظ سے ایک نہایت دلچسپ اور اہم کلمہ ہے کہ وہ یہود، نصاریٰ اور اہلِ اسلام تینوں ملتوں کے ہاں عبادت میں دعا کے موقع پر استعمال ہوتا ہے۔

آمین ایک عبرانی لفظ ہے جو سب سے پہلے یہودیوں کے مذہبی نوشتوں میں پایا گیا ہے اور ان کی عبادت گاہوں میں دعاء کے موقع اب بھی استعمال ہوتا ہے۔

آمین کا بنیادی مفہوم دعاء یا قول کو مؤکد کرنا ہے، یا اظہارِ تمنّا ہے، گویا دعاء کے بعد قائل کہتا ہے کہ "خدا کرے کہ ایسا ہی ہو"۔

انجیل کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آمین کا لفظ حضرت عیسٰی نے بھی کئی بار استعمال کیا تھا اور وہ اسے اپنے مواعظ اور ادعیہ کے آخر میں تاکید کے لیے کام میں لاتے تھے۔ اور کلیسا نے اس دستور کو اب تک قائم رکھا ہے جب کبھی کوئی پادری دعاء مانگتا ہے تو حاضرین اس پر آمین کہتے ہیں۔

قاضی خفاجی مؤلف شفاء العلیل اور دیگر لغت نویسوں نے آمین کے عربی یا غیر عربی ہونے سے بحث کی ہے۔ اگر یہ حضرات یہود اور نصاریٰ کی مذہبی کتابوں کی طرف رجوع کرتے جہاں آمین کا لفظ بہت پہلے استعمال ہو چکا ہے تو انہیں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

اہلِ اسلام کے ہاں بھی آمین کا لفظ انہی معنوں میں مستعمل ہے جن میں یہود اور نصاریٰ نے استعمال کیا تھا۔ آمین کا لفظ خاص کر سورۂ فاتحہ کی تلاوت یا قراءت کے بعد آہستہ یا پکار کر کہا جاتا ہے۔

بائیبل کے انگریزی مترجموں نے آمین کو (Amen) لکھا ہے اور اسے ایک مذہبی اصطلاح کے طور پر برقرار رکھا ہے۔

## ابراہیم

حضرت ابراہیم (خلیل اللہ) کی وجہ تسمیہ تورات کے سفر التکوین کی سترھویں فصل میں یوں بیان کی گئی ہے:

وَلَمَّا كَانَ اِبْرَامُ ابْنَ تِسعٍ وَتِسعِينَ سَنَةً ظَهَرَ الرَّبُّ لِاَبْرَامَ وَقَالَ لَهُ اَنَا اللّٰهُ الْقَدِيرُ وَتَكُونُ اَباً لِجُمْهُورٍ مِنَ الْاُمَمِ فَلَا يُدْعىٰ اسْمُكَ بَعْدَ اَبْرَامَ بَلْ يَكُونُ اسْمُكَ اِبْرَاهِيمَ لِاَنِّي اَجْعَلُكَ اَباً لِجُمْهُورٍ مِنَ الْاُمَمِ وَاُنْمِيكَ كَثِيراً جِدّاً وَاَجْعَلُكَ اُمَماً وَمُلُوكٌ مِنْكَ يَخْرُجُونَ ۝

(اور جب ابرام ۹۹ سال کی عمر کو پہنچا، تو پروردگار ابرام پر ظاہر ہوا اور اس نے کہا کہ میں اللہ قدیر ہوں اور تو بہت سی قوموں کا باپ (Father of nations)، پس تو ابرام کے نام سے نہیں پکارا جاتے گا، بلکہ تیرا نام ابراہیم ہوگا، کیونکہ میں تجھے بہت سی قوموں کا باپ بناؤں گا اور تجھے بہت سی اولاد دونگا، اور تجھ سے بہت سی قومیں بناؤں گا اور تیری نسل سے بہت سے بادشاہ پیدا ہونگے)۔

ابراہیم کو انگریزی میں Abraham لکھتے ہیں۔ ابرہہ غالباً ابراہیم ہی کی مرخم صورت ہے۔

## اسمٰعیل

حضرت اسمٰعیل حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے بیٹے تھے اور وہ ان کی مصری زوجہ ہاجرہ کے بطن سے تھے۔ ان کا ذکر قرآن پاک میں کئی بار آیا ہے۔

تورات کی سفر التکوین (یعنی کتاب پیدائش) کی سولھویں فصل میں اسمٰعیل کی وجہ تسمیہ یوں بیان کی گئی ہے:

قَالَ لَها مَلاكُ الرّبِّ ها اَنتِ حُبلیٰ فَتَلِدِينَ ابناً وتَدعِينَ اسمَهٗ اسمٰعيل لِاَنَّ الربَّ قد سَمِعَ لمذلّتكِ ٥

(پروردگار کے فرشتہ نے اس سے یعنی ہاجرہ سے کہا کہ تو حاملہ ہے، پس تو ایک بیٹا جنے گی اور تو اسے اسمٰعیل کے نام سے پکارے گی، کیونکہ پروردگار نے تیری فریاد سُن لی ہے)

مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ اسمٰعیل ایک عبرانی نام ہے جو سمع اور ایل سے مل کر بنا ہے اس میں ایل اِلٰہ کا مترادف ہے۔

مغربی اقوام نے بھی اسمٰعیل کا نام اسم عَلَم کے طور پر اختیار کر رکھا ہے۔ چنانچہ انگریزی میں اسے Samuel لکھتے ہیں۔

## اسرائیل (بنی اسرائیل)

حضرت اسحٰق کے بیٹے اور حضرت ابراہیم کے پوتے حضرت یعقوبؑ کا لقب اسرائیل تھا، اس لیے

ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ اور قرآن پاک میں ان کا ذکر اسی نام سے آیا ہے۔

تورات (کتاب پیدائش) میں لکھا ہے کہ ظَهَرَ اللّٰهُ لیعقوبَ ایضًا وبارکهٗ وقال له الله اسمکَ یعقوبَ لا یُدعیٰ اسمك فیما بعد یعقوبَ بل یکونُ اِسمك اسرائیل فدعا اسمه اسرائیل ٥

(یعنی اللہ یعقوب پر بھی ظاہر ہوا اور اس کو برکت دی اور اللہ نے اس سے کہا کہ تیرا نام یعقوب ہے، لیکن آج کے بعد تمہیں یعقوب کے نام سے نہیں پکارا جائے گا، بلکہ تیرا نام اسرائیل ہوگا" پس اس نے اُسے اسرائیل کے نام سے پکارا)

اسرائیل کے لقب کی مزید تشریح کتاب پیدائش کی بتّیسویں فصل میں یوں آئی ہے:

فَبَقِیَ یعقُوبُ وَحْدَهٗ وصارَعَهٗ انسانٌ حتی طلوعِ الفجرِ وقال اطلقنی لانّه قد طلَعَ الفجرُ فقال لَا اطلقك ان لَمْ تُبارِکْنِی فقال له ما اِسْمُکَ فقال یعقوب فقال لا یُدعیٰ اسْمُکَ فِی مَا بَعْدُ یعقوب بَلْ اسرائیل لانكَ جاهَدْتَ مَعَ الله والناس وقَدرتَ وسألَ یعقوب وقَالَ اَخبِرنِی باسمك فقال لما ذا تسأل عن اسْمِی وبارکه هناك ٥

(اور یعقوب اکیلا رہ گیا اور ایک شخص اس کے ساتھ صبح تک کشتی لڑا اور اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دے کیونکہ صبح ہو چکی ہے، پس اس نے جواب میں کہا کہ میں تجھے نہیں چھوڑوں گا اگر تُو مجھے برکت نہیں دیگا، پس اس نے کہا کہ تیرا نام کیا ہے، اس نے کہا کہ یعقوب، پس اس نے کہا کہ آج کے بعد تیرا نام یعقوب نہیں پکارا جائے گا بلکہ اسرائیل کہلائے گا، کیونکہ تُو نے اللہ کے ساتھ اور لوگوں کے ساتھ جہاد کیا ہے اور غالب رہا ہے اور اس نے یعقوب سے پوچھا کہ مجھے اپنا نام بتاؤ، اس نے کہا کہ تو میرا نام کیوں پوچھتا ہے، پس اس نے اس کو وہیں برکت دی)۔

حضرت یعقوب کی اولاد قحط کے زمانے میں مصر میں جا کر آباد ہو گئی تھی اور جب فرعون نے ان پر ظلم وستم شروع کیا، تو ان کے درمیان حضرت موسیٰ نے ظہور کیا، جو اُن کو مصر سے صحیح وسلامت نکال کر لے آئے، اس ضمن میں قرآنِ پاک نے موسیٰ کی قوم کو بنی اِسرائیل ہی کے نام سے یاد کیا ہے۔

# حَوَارِی

حواری کا لفظ بصورت جمع قرآن پاک میں پانچ مرتبہ آیا ہے اور ہر جگہ حضرت عیسیٰؑ کے خاص شاگردوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ سورۂ آل عمران میں ہے:

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیْسٰی مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○ (یعنی جب عیسیٰ کو ان کے کفر کا احساس ہوا تو اس نے کہا کہ اللہ کی راہ میں میرا مددگار کون ہے۔ حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں، اور تو گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں)۔

پھر سورۂ المائدہ میں ہے:

اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ (جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا تیرا پروردگار ہم پر آسمان سے خوان اتار سکتا ہے۔ عیسیٰ نے کہا خدا سے ڈرو اگر تم مومن ہو)۔

اگرچہ امام سیوطیؒ نے اتقان میں حواری کو عجمی الفاظ کی فہرست میں شامل کیا ہے، لیکن اکثر عربی مصنفوں نے اسے عربی قرار دیا ہے، اور حَارَ یَحُوْرُ سے مشتق بنایا ہے، لیکن یہ اشتقاق تسلی بخش نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اشتقاق محض خیالی ہے۔

جرمن مستشرق پروفیسر نوئلڈکے (Noldeke) کی تحقیق یہ ہے کہ حواری دراصل حبشی زبان کا لفظ ہے، اور عربوں نے یہ لفظ وہیں سے اخذ کیا ہے۔ حبشی زبان میں حواری کے معنے رسول یا پیغمبر کے ہیں اور حضرت عیسیٰ کے شاگردوں اور ساتھیوں کو رسول اس لیے کہا گیا ہے کہ انہوں نے ان کو اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے مختلف شہروں میں بھیجا تھا جیسا کہ لوقا کی انجیل کے دسویں باب میں مذکور ہے۔ جیسا کہ سیرت اور رجال کی کتابوں میں لکھا ہے، حضرت زبیر بن عوام کا لقب "حواریٔ رسول اللہ" تھا۔

# دِین

قرآنِ پاک میں دین کا لفظ دو الگ معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اوّل معنے اس کے مذہب یا

شریعت (Religion) کے ہیں جیسا کہ سورۂ آلِ عمران میں ہے:
اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۵ (بے شک حقیقی دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے)۔
پھر اسی سورت میں ہے:
وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ ج وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۵
(جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین پسند کرے گا تو وہ دین اس سے قبول نہیں کیا جائیگا۔ اور وہ آخرت میں خسارہ میں رہے گا)۔
سورۂ بقرہ میں یہ اصول بیان ہوا کہ
لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ج (مذہب کے معاملہ میں جبر اور زبردستی جائز نہیں ہے)۔
اور اہلِ کتاب کو یہ حکم ملا کہ:
یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ (اے اہلِ کتاب اپنے دین کے بارے میں ناحق مبالغہ نہ کرو)۔
سورہ الکافرون ذیل کی آیت پر ختم ہوتی ہے:
لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ ۵ (تم کو تمہارا دین اور مجھے میرا دین سلامت رہے)۔
دین کے دوسرے معنے سزا و جزا کے ہیں، سورہ فاتحہ میں آتا ہے:
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۵ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۵ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۵
(سب تعریف اللہ کو سزاوار ہے، جو کائنات کا پروردگار ہے اور رحمان اور رحیم ہے اور یومِ جزاء کا مالک ہے)۔

## الرُّوم

سُورۃ الرّوم میں الرُّوم کا جو لفظ آیا ہے، اس سے وہ رُومی قوم مُراد ہے جس کا نام اپنی سلطنت کے دارالحکومت رومہ (Roma) سے مشتق ہے۔ رومہ کا شہر اب بھی اطالیہ کی مملکت کا دارالسلطنت ہے، جسے انگریزی میں (Rome) لکھتے ہیں۔
رومی قوم کا شمار قدیم زمانہ کی مشہور اقوام میں ہوتا ہے اور ان کی ایک معروف اور مدوّن تاریخ

ہے۔ ان کی حکومت و سلطنت کی ابتداء اطالیہ کے ملک سے ہوئی تھی لیکن رُومی سلطنت نے بڑھتے بڑھتے یورپ، ایشیا اور افریقہ کے بہت سے ملکوں کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا تھا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ کے ظہور کے وقت فلسطین اور شام کے ملک رومیوں ہی کے زیرِ نگیں تھے۔ اور خلافتِ راشدہ میں عربوں کو اپنی بیرونی فتوحات کے دوران میں اسی رومی سلطنت سے سابقہ پڑا تھا۔

عیسوی دین فلسطین سے نکل کر رفتہ رفتہ آس پاس کے ملکوں میں پھیلتا گیا، یہاں تک کہ اطالیہ میں جا پہنچا اور قیصر قسطنطین (Constantine) نے اسے قبول کر لیا۔ قیصر مذکور نے بزنطیم کے شہر کو اپنا دار الحکومت بنایا، جو اس کے نام پر قسطنطنیہ کہلایا، ۳۶۴ء میں رُومی سلطنت دو حصّوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک مغربی حصّہ جس کا پایۂ تخت رومہ تھا، اور دوسرا مشرقی حصّہ جس کو "مشرقی رُومی سلطنت" کہتے ہیں، اور جس کا مستقر قسطنطنیہ تھا۔ مؤرخین نے اسے "بزنطینی سلطنت (Byzantine Empire)" بھی کہا ہے۔ ظہورِ اسلام کے بعد عربوں کو جس رُومی سلطنت سے واسطہ پڑا وہ یہی مشرقی رومی سلطنت تھی جس میں ایشیائے کوچک، شام، فلسطین اور مصر کے ملک شامل تھے اور جس کا دار الحکومت قسطنطنیہ کا تاریخی شہر تھا۔

رومی سلطنت کی سب سے بڑی حریف ایرانی مملکت تھی، اور اُن کے درمیان اکثر اوقات جنگ و جدال کا بازار گرم رہتا تھا۔ کبھی ایک فریق غالب آتا اور کبھی دوسرا۔ سورۂ روم میں دونوں سلطنتوں کی اسی باہمی کشمکش کی طرف اشارہ آیا ہے۔ جس کے چند متعلقہ واقعات اس موقع پر نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں۔

جس سال (۶۱۰ء) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم پر وحی کا نزول ہوا، تقریباً اسی زمانے میں ہرقل (Heraclius) قسطنطنیہ کے تختِ حکومت پر بیٹھا۔ اس کے زمانے میں اوار (Avar) قوم نے رُومی سلطنت پر حملہ کر کے اس کے کئی ایک سرحدی صوبے لے لیے۔ رُومی سلطنت کی اس مصیبت سے فائدہ اٹھا کر ایران کے شہنشاہ خسرو پرویز نے شام پر اچانک حملہ کر دیا اور ۶۱۴ء میں بیت المقدّس کا محاصرہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ جب رومیوں کی شکست اور ایرانیوں کی فتح کی خبر مکّہ میں پہنچی، تو مشرکین مکّہ بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ جس طرح ایران کے مجوسی نصاریٰ پر غالب آ گئے ہیں، اسی طرح ہم بھی مسلمانوں پر غالب آ جائیں گے۔

رُومی اہلِ کتاب تھے، اِس لیے اہلِ اسلام ان کو ایران کے مجوسیوں پر ترجیح دیتے تھے اور ان کے ساتھ طبعی طور پر ہمدردی رکھتے تھے اور رومیوں کی شکست سے آزردہ خاطر اور ملول تھے عین اس موقع پر رسولِ اکرمؐ پر وحی نازل ہوئی جس میں رومیوں کی فتح کی پیشین گوئی کی گئی تھی۔ حالانکہ حالاتِ حاضرہ کے پیشِ نظر اس وقت رومیوں کے دوبارہ غلبہ حاصل کرنے کا بہت کم امکان نظر آتا تھا بہر حال ارشاد ہوا:

الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۙ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ۬ؕ لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ بِنَصْرِ اللّٰہِ ؕ

(ترجمہ) الٓمّٓ ۔ رومی لوگ نزدیک کے ملک میں مغلوب ہو گئے ہیں۔ لیکن وہ چند سالوں کے اندر غالب آجائیں گے، حکومت اللہ ہی کی ہے، پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ اور اُس دن ایمان والے اللہ کی امداد پر خوش ہوں گے۔"

قرآنِ پاک کی اس پیشین گوئی پر مشہور انگریز مؤرخ گبن نے حسبِ ذیل تبصرہ کیا ہے:

"مشرق کی اِن دو عظیم الشان سلطنتوں کے ڈانڈے پر بیٹھ کر پیغمبر عربی اِن دونوں کی باہمی تباہ کن کوششوں کو بغور دیکھ رہے تھے اور عین اُس وقت جبکہ ایرانی اپنی مسلسل فتوحات پر شادیانے بجا رہے تھے، اس پیشین گوئی کی جرأت کی کہ چند سالوں میں رومی لشکر پھر فتح و ظفر کا پھریرا لہرائیں گے، جس وقت یہ پیشین گوئی کی گئی تھی، کوئی بات اس پیشین گوئی سے زیادہ بعد از قیاس نہیں ہو سکتی تھی۔"

جب رومی سلطنت اور قوم کی ذلّت و خواری حد سے گزر گئی تو آخر کار ان کا ضمیر بیدار ہوا، اور ان کی قومی غیرت نے جوش مارا اور رومی قوم کے ہر طبقہ نے دشمن کے مقابلہ کی تیاری کی، اور اپنے فرمانروا کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ جب تیاری مکمل ہو گئی تو قیصر ہرقل ۶۲۲ء میں یلغار کرتا ہوا عراق میں جا نکلا اور اصفہان اور قزوین کے شہروں تک جا پہنچا۔ جب کسریٰ کو رومیوں کی یورش کا حال معلوم ہوا تو اُس نے دُور دراز صُوبوں سے اپنی فوجیں واپس بلا لیں لیکن رُومی فوج اس بہادری سے لڑی کہ اس نے ایرانیوں کے پرخچے اڑا دیئے اور ان کو شکستِ فاش دی اور یوں قرآن پاک کی پیشین گوئی پُوری ہوئی اور عین اس روز جب مسلمانوں نے بدر کے میدان میں مشرکینِ مکّہ پر فتح پائی، رومیوں کے

مظفر و منصور ہونے کی خبر مدینہ منورہ میں پہنچی۔

## سُلیمان

حضرت سُلیمانؑ حضرت داوٗدؑ کے بیٹے تھے، اور ان کا ذکر قرآنِ پاک میں کئی مرتبہ آیا ہے۔
سُلیمان عبرانی زبان کا ایک اسمِ علم ہے جو سلم سے مشتق ہے۔ عبرانی اور عربی دونوں زبانوں میں سلم کے معنی امن اور صلح کے ہیں، لہٰذا سُلیمان کے معنے امن پسند اور صُلح جو شخص کے ہیں۔ جسے انگریزی میں Peaceful کہتے ہیں۔
سُلیمان کو انگریزی میں Solomon لکھتے ہیں۔

## طوُفان

طوُفان کا لفظ قرآن مجید میں دو مرتبہ آیا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت نوُحؑ کے تعلق سے استعمال ہوا، چنانچہ سورۂ عنکبوت میں ہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِیْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا ط فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ٥

(ترجمہ) "اور ہم نے نوُح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اور اس نے ان کے درمیان پچاس کم ایک ہزار سال گزارے، پھر طوُفان نے ان کو آلیا، کیونکہ وہ ظالم ثابت ہوئے تھے۔"

طوفانِ نوُح کی تفصیل سوُرۂ ہوُد میں بیان ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفانِ نوح کی صورت ایک ہلاکت آفرین سیلاب کی تھی، اور جب کشتیٔ نوحؑ چل رہی تھی تو پانی کی موجیں پہاڑوں کی مثل بلند نظر آتی تھیں

دوسری مرتبہ طوُفان کا ذکر اُن آفات (Plagues) کے ضمن میں آیا ہے جو فرعون اور اس کی قوم پر اس کی نافرمانی کی وجہ سے آئی تھیں چنانچہ سوُرۂ اعراف میں ہے:

فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ قف فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ٥

(پس ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور مکڑی اور جوئیں اور مینڈک اور خون۔ یہ کھلی ہوئی نشانیاں تھیں لیکن انہوں نے تکبّر اختیار کیا اور ایک مجرم قوم ثابت ہوئے)۔

حضرت موسیٰ نے فرعون سے کہا تھا کہ میری قوم کو مصر سے نکل جانے کی اجازت دے دو، لیکن اس نے نافرمانی کی جس کی پاداش میں اہلِ مصر پر کئی آفتیں آئیں، ان میں سے ایک طوفان بھی تھا، جس کا ذکر سورۂ اعراف میں آیا ہے۔ اس مصر والے طوفان کی نوعیّت اور کیفیت کیا تھی؟ اس سوال کا جواب ہمیں تورات کی کتاب الخروج میں ملتا ہے۔ چنانچہ کتاب الخروج کے نویں باب میں آیا ہے:

ثُمَّ قَالَ الرَّبُّ لِمُوسیٰ مُدَّ یَدَكَ نَحوَ السَّمَآءِ لِیَکُونَ بَرَدٌ فِی کُلِّ اَرضِ مِصرَ عَلَی النَّاسِ وَعَلَی البَھَائِمِ وَعَلٰی کُلِّ عُشبِ الحَقلِ فِی اَرضِ مِصرَ فَمَدَّ مُوسیٰ عَصَاہُ نَحوَ السَّمَآءِ فَاَعطَی الرَّبُّ رُعُوداً وَبَرَداً وَجَرَتْ نَارٌ عَلَی الاَرضِ وَ اَمطَرَ الرَّبُّ بَرَداً عَلٰی ارضِ مِصرَ فکان بَرَدٌ ونارٌ مُتَواصِلَۃٌ فی وَسطِ البَرَدِ، شَیٌٔ عظیم جِدًّا لم یکُنْ مِثلُہٗ فی کل ارضِ مِصرَ مُنذُ صارَتْ اُمَّۃً۔ فضرب البَرَدُ فی کل ارضِ مِصرَ جمیعَ ما فی الحَقلِ مِنَ النَّاسِ وَالبھائم وضربَ البرَدُ جمیع عُشبِ الحقلِ وَکَسَّر جمیعَ شجرِ الحَقلِ ٥

(ترجمہ) "پھر پروردگار نے موسیٰ سے کہا کہ آسمان کی طرف اپنا ہاتھ بڑھاؤ، تاکہ مصر کے تمام ملک میں ژالہ باری ہو۔ لوگوں پر جانوروں پر اور کھیت کی سبزی پر۔ پس موسیٰ نے اپنا عصا آسمان کی طرف بلند کیا، پس پروردگار نے رعد اور اولے بھیجے اور زمین میں آگ پھیل گئی، اور پروردگار نے مصر کی سرزمین پر اولوں کی بارش کی، پس اولے اور آگ ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ ایسا بڑا حادثہ مصر کے ملک میں کبھی پیش نہیں آیا تھا، جب سے قوم بنی تھی۔ پس ژالہ باری نے مصر کی زمین میں جتنی کھیتی تھی، تباہ کر دی۔ اور کھیتوں کی تمام سبزی کو برباد کر دیا اور کھیتوں کے تمام درختوں کو بھی توڑ دیا۔"

عصرِ حاضر کے علماء لغت کی تحقیق یہ ہے کہ طوفان ایک چینی لفظ سے ماخوذ ہے۔ بحرِ چین میں جو سمندری طوفان آتا ہے اسے چینی لوگ "تائی فنگ" (Tai Feng) یعنی "بادِ تند" کہتے ہیں۔ اور طوفان کی اصل یہی چینی لفظ ہے جو انگریزی میں جا کر Typhoon اور پرتگالی میں

Tufao بن گیا ہے۔ عربوں کے تجارتی تعلقات قدیم زمانے سے مشرقی ملکوں کے ساتھ بحرِ چین تک قائم تھے، لہٰذا ان کا اس چینی لفظ کو اختیار کرنا ناممکنات میں سے نہیں ہے۔

## یم

یم کا لفظ قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں سمندر کے معنے میں سات مرتبہ آیا ہے اور صرف حضرت موسیٰ اور فرعونِ مصر کے قصّہ میں استعمال ہوا ہے، مثلاً سورۃ القصص میں ہے:

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی اَنْ اَرْضِعِیْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ "ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کی کہ اسے دودھ پلا اور جب تجھے اس کی جان کا خوف ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا" اور پھر آگے چل کر فرمایا: فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ ج "ہم نے فرعون پر اور اس کے لشکروں پر گرفت کی، اور ان کو سمندر میں پھینک دیا"۔ اسی طرح سورہ الاعراف میں ہے: فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ (پس ہم نے اُن سے انتقام لیا اور ان کو سمندر میں غرق کر دیا۔)

فَم کی طرح یَم کا لفظ بھی عربی اور قدیم مصری زبان میں مشترک ہے، یعنی قدیم مصری زبان میں بھی یَم کا لفظ سمندر کے معنی میں مستعمل تھا، اور عصرِ حاضر کے محققین کا خیال ہے کہ یہ لفظ مصری سے عربی میں مستعار لیا گیا ہے۔ قبطی قدیم مصری زبان کی موجودہ صورت ہے، اس میں بھی یَم کا لفظ بدستور موجود ہے، لیکن اس کی میم مشدّد نہیں، اور غالباً قدیم مصری میں بھی مشدّد نہ تھی۔

عرب علماء کا ابتدا ہی سے یہ خیال رہا ہے کہ یَم کا لفظ عجمی ہے، چنانچہ امام سیوطی اتقان میں لکھتے ہیں کہ ابنِ قُتیبہ نے یَم کو سُریانی بتایا ہے اور ابو منصور الجوالیقی نے بھی اپنی کتاب المعرّب میں اسے سُریانی کہا ہے، لیکن سیدلہ کا قول ہے کہ یہ لفظ قبطی ہے، اور یہی قول قرینِ صحّت ہے۔

یہ امر قابلِ غور ہے کہ یَم کا لفظ قرآن پاک میں صرف حضرت موسیٰ اور فرعون کے قصّہ میں آیا ہے اور اس ضمن میں کبھی دریائے نیل اور کبھی سمندر کے لیے استعمال ہوا ہے، ورنہ کلام پاک کے دیگر مقامات میں سمندر کے لیے بالعموم "بحر" کا لفظ آیا ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ قرآن حکیم نے مصر کے واقعات کے بیان میں وہاں کے مقامی الفاظ کے استعمال کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔

# یہود

حضرت سلیمان کی وفات (۹۳۲ قبل مسیح) کے بعد بنی اسرائیل کی سلطنت دو حصوں میں منقسم ہو گئی۔ شمالی حصے کا دارالحکومت سامریہ قرار پایا اور اورشلیم (Jerusalem) کی حکومت کے ساتھ صرف یہودا اور ابن یمین کے دو قبیلے رہ گئے۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جو بعدازاں یہود یا یہودی کہلائے۔ قرآنِ پاک نے رسول اکرمؐ کے ہمعصر اسرائیلیوں کو یہود ہی کے نام سے پکارا ہے۔

چھٹی صدی قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے یہودا (Judah) کی ریاست کو تسخیر کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اور ہزاروں یہودیوں کو قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ کئی سو سال کے بعد رومیوں نے یہود کے ملک کو اپنی حکومت میں لے لیا۔ اور جب یہودیوں نے ۷۰ء میں بغاوت کی، تو رومیوں نے اورشلیم یعنی بیت المقدس کو تباہ کر دیا۔ بہت سے یہودی مارے گئے اور باقی لوگ اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ اس طرح بنی اسرائیل کی دونوں ریاستوں، یعنی سامریہ اور اورشلیم کا خاتمہ ہو گیا۔ گمان غالب ہے کہ مدینہ اور خیبر کے یہودی قبیلے اسی زمانے میں حجاز میں آکر آباد ہوئے تھے۔

---